استدراک

فرعون۔ تاریخ و تحقیق کی روشنی میں

از عبدالرحمٰن مومن (ریڈر شعبۂ عمرانیات، بمبئی یونیورسٹی)

مجلہ برہان (جون جولائی ۱۹۸۴ء) میں مولانا ابوالکلام قاسمی شمسی کا مضمون بعنوان بالا شائع ہوا۔ مضمون افادیت کا حامل ہے لیکن عنوان اور موضوع کے ساتھ انصاف نہیں کیا گیا ہے۔

مولانا نے جن مصادر و ماخذ سے استفادہ کیا ہے وہ کئی لحاظ سے فرسودہ ہو چکے ہیں۔ فرعون سے متعلق مولانا کے علمی و تاریخی بحث کی اساس زیادہ تر مولانا عبدالماجد دریابادی کی تفسیر ماجدی اور مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کی تفہیم القرآن پر ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اردو زبان میں قرآنِ کریم کی علمی و تحقیقی تفسیر کے لحاظ سے مولانا سید سلیمان ندوی کی ارض القرآن (۱۹۱۵ء) مولانا ابوالکلام آزاد کی ترجمان القرآن (۱۹۳۱ء) مولانا دریابادی کی تفسیر ماجدی (انگریزی ۱۹۴۲ء، اردو ۱۹۴۴ء) اور مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کی تفہیم القرآن (۱۹۶۹ء) بڑی اہمیت رکھتی ہیں لیکن ان کتابوں کو شائع ہوئے ایک عرصہ ہوگیا۔ اس دوران میں تاریخ و اثریات، مصریات (EGYPTOLOGY) اثریاتِ تورات (Biblical Archaeology) تقابلی مطالعۂ مذاہب (Comparative Religion) تقابلی لسانیات (Comparative philology) علم مخطوطات و کتابات قدیمہ (PALAEOGRAPHY)

اور دیگر متعلقہ علوم میں کافی ترقیاں ہوئی ہیں۔ ان علوم کا قرآن کریم کی علمی و تحقیقی تفسیر سے گہرا تعلق ہے۔ حالیہ علمی و تاریخی تحقیقات بالخصوص اثریاتی اکتشافات کی روشنی میں مذکورۃ الصدر تفاسیر کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان میں بیان کردہ بہت سے علمی و تاریخی مباحث فرسودہ ہوچکے ہیں۔ ضرورت ہے کہ جدید تحقیقات کے پیشِ نظر ان مباحث کا تنقیدی جائزہ لیا جائے اور قرآنی تفسیر اور جدید علمی تحقیقات کے موضوع پر ایک جامع اور مبسوط منصوبہ کی بنیاد رکھی جائے۔ یہ کام جس ہمہ گیری، علمی و فنی تنوع اور فضیلت و بصیرت کا متقاضی ہے اس کے پیشِ نظر ایک ادارہ یا مجلسِ علمی ہی اس کام کا بیڑا اٹھا سکتی ہے۔ اس ادارہ سے وابستہ علماء و ماہرین کا السنۂ سامیہ بالخصوص عبرانی، آرامی، سریانی، حبشی اور عربی نیز جدید یوروپی زبانوں بالخصوص جرمن، انگریزی اور فرانسیسی سے اچھی طرح واقف ہونا از بس ضروری ہے۔

حالیہ برسوں میں علمی و تاریخی تحقیقات پر مشتمل چند مفید اور دلچسپ کتابیں شائع ہوئی ہیں جن سے قرآنی قصص و مباحث پر مزید روشنی پڑتی ہے۔ ریاض یونیورسٹی سے دو حصوں میں عربی اور انگریزی زبانوں میں مصادر تاریخ الجزیرۃ العربیۃ (Sources for the History of Arabia) ۱۹۷۹ء میں شائع ہوئی۔ ۱۹۷۷ء میں ریاض یونیورسٹی کی جانب سے تاریخ عرب سے متعلق دراسات کے موضوع پر ایک بین الاقوامی مذاکرہ (سمپوزیم) منعقد ہوا تھا۔ یہ دو جلدیں اسی مذاکرہ کے مباحث پر مشتمل ہیں۔ اپریل ۱۹۷۹ء میں ما قبل اسلام کی تاریخِ عرب پر دوسرا بین الاقوامی مذاکرہ ریاض ہی میں منعقد ہوا۔ ۱۹۸۱ء میں عہد نبوی اور خلافت راشدہ سے متعلق عربی تاریخ پر تیسرا بین الاقوامی مذاکرہ ہوا۔ ان دو مذاکرات کے مباحث ابھی تک منظر عام پر نہیں آئے ہیں۔ المجمع العلمی العراقی نے جواد علی کی مرتبہ تاریخ العرب قبل الاسلام ۸ جلدوں میں شائع کی ہے۔ کتاب بڑی جامعیت کی حامل ہے۔ ۱۹۸۱ء میں پشاور یونیورسٹی (پاکستان) کے زیر اہتمام اسلامی اثریات ISLA -

(MIS ARCHEOLOGY پر ایک بین الاقوامی کانفرنس منعقد ہوئی تھی۔ کانفرنس کے مباحث (Proceedings) غالباً ابھی تک زیور طبع سے آراستہ نہیں ہوئے ہیں۔ ڈاکٹر ایف اے درانی، صدر شعبۂ آثاریات پشاور یونیورسٹی (پاکستان) میرے مکتوب کے جواب میں اطلاع دی کہ کتاب عنقریب شائع ہوگی۔ قرآن کریم میں بیان کردہ اصحاب الاخدود سے متعلق پروفیسر عرفان شہید کی کتاب (The Martyros of Ma- Jran New Documents) میں بہت سے تاریخی و آثریاتی شواہد پیش کیے گئے ہیں۔ رفیق وفا الدجانی کی کتاب الکشف عن اہل الکہف (مطبوعہ بیروت) اصحاب کہف کے حالات وکوائف پر جدید ترین تحقیقات پیش کرتی ہے۔ (اس کتاب کی نشاندہی مولانا ابو الحسن علی ندوی مدظلہ نے فرمائی۔ کتاب ان کے ذاتی کتب خانہ میں موجود ہے) حجاز، اردن، عراق، یمن وغیرہ میں جو حالیہ آثریاتی انکشافات ہوئے ہیں ان سے قوم عاد و ثمود، قوم لوط، اصحاب الفیل، سبا اور سد مآرب وغیرہ پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ (۱)

حال ہی فرانسیسی سرجن اور محقق ماریس بوکائی (Maurice Bucaille) نے اپنی کتاب (The Bible, The Quran and Science) شائع کی ہے جس میں تورات اور قرآن کا جدید سائنسی معلومات کی روشنی میں جائزہ لیا گیا ہے۔(۲) بحرمیت کے مخطوطات (Dead Sea Scrolls) جو پہلی صدی قبل مسیح اور پہلی صدی عیسوی کے تحریر کردہ ہیں خصوصی اہمیت کے حامل ہیں۔ یہ ۱۹۴۵ء میں بحرمیت کے کنارے وادی قمران میں اتفاقیہ طور پر حاصل ہوئے تھے۔ یہ مخطوطات قدیم عبرانی زبان (Palaeo-Hebrew) میں ہیں اور ان میں آدھے سے زیادہ اب تک پڑھے نہیں جا سکے ہیں۔ مخطوطات کے مقابلہ ومطالعہ کا کام اسرائیل کی عبرانی یونیورسٹی میں ہو رہا ہے۔ اس کام میں یہودی اور عیسائی محققین لگے ہوئے ہیں اور اس بات کا قوی امکان ہے کہ مطالعہ ومقابلہ کے دوران سامنے آنے والی بہت سی حقیقتوں پر دانستہ پردہ ڈال دیا جائے گا۔ راقم الحروف کے نام ایک مکتوب میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب

مدظلہ نے لکھا ہے کہ حال میں ادریس ؑ کی کتاب کے بعض حصے ملے ہیں جن میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے متعلق پیشین گوئی موجود ہے لیکن ان چیزوں کے منظرِ عام پر آنے کا امکان بہت کم نظر آتا ہے[۳] مولانا قاسمی نے اپنے مضمون میں فرعون سے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ زیادہ تر تفہیم القرآن اور تفسیر ماجدی کی بازگشت ہے تفہیم القرآن کے کئی مباحث ارض القرآن سے مستعار ہیں جو جدید تحقیقات کے پیشِ نظر فرسودہ ہو چکے ہیں تفسیر ماجدی آج سے ۴۰-۴۵ سال پہلے لکھی گئی تھی۔ اس وقت مولانا نے جن کتابوں سے استفادہ کیا تھا ان کی علمی حیثیت مجروح ہو چکی ہے۔ مثلاً مولانا نے بیشتر مقامات پر سر چارلس مارسٹن کی کتاب (The Bible is True) اور (The Bible Comes Alive) سے تصدیقی حوالے دئے ہیں یہ کتابیں آج پایۂ اعتبار سے گر چکی ہیں اور خود مورخین اور علماء انھیں ناقابلِ اعتبار قرار دے چکے ہیں۔ حال میں مجلس تحقیقات و نشریات اسلام، دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے مولانا دریابادی کی انگریزی تفسیر قرآن کے دو حصے شائع ہوئے ہیں۔ کتاب میں درج ہے کہ یہ تفسیر ماجدی کا اضافہ و نظر ثانی شدہ ایڈیشن ہے۔ افسوس کہ کتاب کے مندرجات میں کوئی اضافہ یا رد و بدل نظر نہیں آتا۔ اس میں گذشتہ ایڈیشن کے مباحث بعینہٖ موجود ہیں جو جدید علمی و تاریخی تحقیقات کی روشنی میں ناقابلِ قبول ہیں۔ مشتے نمونہ از خروارے:

تفسیر ماجدی (انگریزی جدید ایڈیشن مطبوعہ لکھنؤ، جلد دوم ص۱۲۳) میں مولانا دریابادی مرحوم علامہ عبد اللہ یوسف علی کے حوالہ سے لکھتے ہیں "پیٹرا کا حجری شہر جو معان کے پاس ہے قوم ثمود کے عہد کی یادگار ہے" یہ صریحاً غلط ہے۔ تاریخی شواہد بالخصوص اثریاتی اکتشافات سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ شہر انباط (NABATEANS) کا تعمیر کردہ ہے۔[۴] طوفان نوح سے متعلق مولانا دریابادی چارلس مارسٹن کا قول نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اثریاتی تحقیقات نے طوفان کی حقیقت کو ثابت کر دیا ہے (جلد دوم ص۳۲۶)۔ دیگر مقامات پر استشہاد کے طور پر مولانا دریابادی نے مشہور عالم اثریات سر لیونارڈ وولی (Leonard Woolley) کی آراء کو پیش کیا ہے۔ حالیہ برسوں میں عراق میں جو اثریاتی تحقیقات و اکتشافات ہوئے ہیں

ان سے طوفانِ نوحؑ پر روشنی ضرور پڑتی ہے لیکن بدقسمتی سے کوئی واضح اور حتمی شہادت نظر نہیں آتی۔ سوولی نے اس صدی کے دوسرے تیسرے دہے میں جو کھدائی کی تھی اور طوفانِ نوحؑ سے متعلق جو نتائج اخذ کیے تھے انھیں بیشتر علمائے آثار نے رد کر دیا ہے(۵)۔ سورہ کہف میں مذکور ذوالقرنین سے متعلق مولانا دریابادی اپنی اردو تفسیر ماجدی (مطبوعہ تاج کمپنی پاکستان ص ۶۱۹) میں لکھتے ہیں کہ غالب خیال یہ ہے کہ مراد مشہور تاریخی فاتح سکندر یونانی ہے۔ تاریخی و علمی شواہد کی بنیاد پر مولانا کے اس خیال کی تردید ان ہی کے زمانہ میں ہو چکی تھی (ملاحظہ ہو مولانا حفظ الرحمٰن کی قصص القرآن جلد سوم جس میں اس مسئلہ پر مبسوط اور مدلل بحث کی گئی ہے نیز مولانا ابو الحسن علی ندوی کی کتاب معرکۂ ایمان و مادیت ص ۱۱۹-۱۲۶)۔ جدید تاریخی و اثریاتی شواہد اس حقیقت پر دال ہیں کہ ایمان و اسلام سے سکندر یونانی کو دور کا بھی واسطہ نہ تھا بلکہ آخری زمانہ میں اس کے ذہن میں اپنی الوہیت کا وسوسہ پیدا ہو گیا تھا۔

اس طویل جملہ معترضہ کے بعد اصل بحث کی طرف رجوع ہوتا ہوں۔ مولانا قاسمی نے فرعون سے متعلق تفہیم القرآن اور تفسیر ماجدی پر نکیر کیا ہے اور مؤخر الذکر صاحبانِ تفسیر نے مسیحی شارحینِ تورات پر۔ تورات کی کتاب خروج میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں دو فرعون ہوئے۔ ایک وہ جس کے عہد میں آپ پیدا ہوئے اور پرورش پائی۔ دوسرا وہ جس نے بنی اسرائیل کا تعاقب کیا اور بالآخر دریائے نیل میں غرق ہوا۔ چنانچہ شارحین تورات دو فرعونوں کا ذکر کرتے ہیں۔ ایک وہ فرعون جس نے بنی اسرائیل پر ظلم و تعدی کی انتہا کر دی۔ (Pharaoh of the Oppression) اور جسے ریمسیس دوم (Rameses II) سمجھا جاتا ہے۔ دوسرا وہ فرعون جو بنی اسرائیل کے خروج کے وقت ہوا اور جو دریائے نیل میں غرق ہوا (Pharaoh of the Exodus) اس فرعون کا نام منفتاح یا مرنفتاح (Meneptah or Merneptah) بتلایا جاتا ہے۔ تقریباً پچاس برس پہلے تورات کی کتاب خروج (Exodus) میں بیان کردہ فرعون سے

متعلق شارحین و مفسرینِ تورات میں شدید اختلافِ رائے تھا۔ اسی اختلاف رائے کی بازگشت ہمیں مولانا دریابادی کے تین متضاد بیانات میں سنائی دیتی ہے۔

(الف) مولانا دریابادی (Hastings) کی ڈکشنری آف دی بائبل (جلد سوم ۸۲۱) کے حوالہ سے لکھتے ہیں "رعمسیس دوم جو انیسویں خانوادے سے تعلق رکھتا ہے اسے عام طور سے ظلم و تعدی کے عہد کا فرعون کہا جاتا ہے۔ دوسرے اس کا بیٹا اور وارث منفتاح جسے خروج کے عہد کا فرعون سمجھا جاتا ہے۔ رعمسیس دوم نے ۶۷ برس تک حکومت کی اور اغلب ہے کہ واقعہ خروج منفتاح کے مختصر دورِ حکومت میں واقع ہوا" (تفسیر ماجدی انگریزی، جدید ایڈیشن مطبوعہ لکھنؤ جلد اول ص۳۲)۔

(ب) دوسرے مقام پر مولانا دریابادی چارلس مارسٹن کی کتاب (The bible is True) کے حوالے سے لکھتے ہیں "جدید اثریاتی تحقیقات سے معلوم ہوتا ہے کہ ظلم و ستم کے زمانہ کا فرعون تحوتمس ثالث (Thotmas III) تھا اور خروج کے زمانہ کا فرعون امین ہوتپ دوم (Amenhotep II) تھا۔ یہ واقعہ ۱۴۴۷ قبل مسیح اور ۱۴۱۷ قبل مسیح کے درمیان پیش آیا" (تفسیر ماجدی انگریزی جلد اول ص۳۲)

(ج) سورۂ یونس کی آیت فَالْيَوْمَ نُنَجِّيكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُونَ لِمَنْ خَلْفَكَ آيَةً کے حاشیہ میں مولانا دریابادی ہال کین کی کتاب "حیاتِ مسیح" (The Life of Christ) کے حوالے سے لکھتے ہیں "ہمیں علم نہیں ہے کہ یہ (غرق شدہ فرعون) کون شخص تھا۔ شاید یہ اٹھارہویں خانوادہ کا فرعون تھا جس کے بچے کچھے آثار قاہرہ کے عجائب گھر میں ایک شیشہ کے صندوق میں رکھے ہوئے ہیں"۔ (تفسیر ماجدی انگریزی جلد دوم ص۳۰۸)

مولانا دریابادی کے مندرجہ بالا تینوں بیانات میں کوئی مطابقت نہیں ہے۔ لگتا ہے کہ انھوں نے اس مسئلہ پر زیادہ غور و فکر سے کام نہ لیتے ہوئے محض مسیحی شارحین تورات کی آراء کو نقل کر دیا ہے جو نہ صرف باہم متناقض ہیں بلکہ تاریخی و اثریاتی حقائق سے دور ہیں۔ مولانا

ابوالاعلیٰ مودودی نے بھی اپنی تفسیر تفہیم القرآن میں مسیحی شارحین تورات کی رائے کو بلا نقد و جرح اختیار کیا بلکہ آگے بڑھ کر قرآنی بیان کی غلط ترجمانی کی۔ وہ لکھتے ہیں "قرآن مجید میں حضرت موسیٰؑ کے قصے کے سلسلے میں دو فرعونوں کا ذکر آتا ہے۔ ایک وہ جس کے زمانہ میں آپ پیدا ہوئے اور جس کے گھر میں آپ نے پرورش پائی۔ دوسرا وہ جس کے پاس آپ اسلام کی دعوت اور بنی اسرائیل کی رہائی کا مطالبہ لے کر پہنچے، جو بالآخر غرق ہوا۔" (تفہیم القرآن جلد دوم صفحہ ۶۲)۔ قرآن کریم میں فرعون کا ذکر ۷۴ دفعہ آیا ہے، قرآنی بیان کے کسی سیاق سے مستفاد نہیں ہوتا کہ حضرت موسیٰؑ کے عہد میں دو فرعون تھے (۶) حضرت موسیٰؑ جب مدین سے واپس آتے ہیں اور بحکم خداوندی فرعون کے سامنے دعوتِ حق پیش کرتے ہیں تو فرعون کہتا ہے

اَلَمْ نُرَبِّكَ فِينَا وَلِيدًا وَلَبِثْتَ فِينَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِينَ (الشعراء ۱۸)

یعنی فرعون بولا کیا ہم نے تمہیں بچپن میں پرورش نہیں کیا تھا اور تم ہم لوگوں میں اپنی اس عمر میں برسوں رہا کیے۔ فرعون کا یہ انداز بتلاتا ہے کہ یہ وہی دورِ ابتلاء کا فرعون ہے جس کے عہد میں حضرت موسیٰؑ پلے بڑھے۔ بقول شاعر

جب بولا کہا کہ یہ آواز اسی خانہ خراب کی سی ہے ۔ میر

فرعون سے متعلق یہ سارا مغالطہ تورات کے بیان سے پیدا ہوتا ہے۔ کتاب خروج (باب ۲ آیت ۲۳) میں ہے "اور اس دوران ایسا ہوا کہ مصر کا بادشاہ مر گیا۔" بالفاظ دیگر رعمسیس دوم جس کے عہد میں آپ پیدا ہوئے آپ کے قیام مدین کے زمانہ میں وفات پا گیا۔ تورات کے اس بیان پر عصر حاضر کے علماء تورات نے جرح کی ہے اور اسے ناقابلِ اعتبار قرار دیا ہے۔ ان علماء میں فادر دے واکس (Fr. de Vaux) کا نام سرِ فہرست ہے۔ فادر دے واکس اپنی کتاب اسرائیل کی قدیم تاریخ (History of Ancient Israel) میں لکھتے ہیں کہ حضرت موسیٰ کے عہد میں ایک ہی فرعون ہوا جس کا نام رعمسیس دوم تھا وہ مصر کے انیسویں شاہی خانوادے سے تعلق رکھتا تھا اور اس کا زمانہ تیرھویں صدی قبل مسیح ہے۔ بنی اسرائیل کے خروج کا واقعہ رعمسیس دوم کے

دورِ حکومت کے نصف اوّل یا درمیانی حصہ میں پیش آیا (سفاردرد) واکس کا یہ خیال قرآنی بیان سے قریب تر ہے۔ نیز دیگر تاریخی ادبی اور اثریاتی شواہد بھی اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ قرآنی بیان سے مستفاد ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں ایک ہی فرعون ہوا تھا جس نے بنی اسرائیل پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے، جو سرکشی اور نافرمانی کا پتلا تھا۔ جس کے عہد میں حضرت موسیٰؑ پیدا ہوئے اور پلے بڑھے یہی فرعون بالآخر ڈوب کر مرا۔ کیا یہ فرعون رعمیس دوم تھا؟ قرآن کریم میں ایک بلیغ اشارہ ملتا ہے۔ سورۂ صٓ میں ہے کَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَعَادٌ وَفِرْعَوْنُ ذُو الْأَوْتَادِ (جھٹلایا ان سے پہلے قوم نوح اور عاد اور فرعون "ذوالاوتاد" نے) سورۃ الفجر میں بھی فِرْعَوْنَ ذِي الْأَوْتَادِ کا لفظ آتا ہے۔ "ذوالاوتاد" کے لفظی معنی تو میخ والے کے ہوتے ہیں لیکن محاورہ میں لشکر، جاہ و حشم والے کو کہتے ہیں تفسیر خازن میں ہے سمی بذالک لکثرۃ جنودہ وکثرۃ مضاربھم وخیامھم التی کانوا یضربونھا اذا نزلوا (الجزء السادس ص۲۰۳) تفسیر مظہری میں ہے قال ابن عباس و محمد بن کعب القرظی ای ذی البناء المحکم (بحوالہ ندوۃ المصنفین ص۲۵۵) یعنی ذوالاوتاد کے معنی ہیں مضبوط عمارتوں والا تفسیر حقانی میں ہے، لفظ ذوالاوتاد میں اس کی حشمت اور کثرت جاہ و مال کی طرف اشارہ ہے۔ ذوالاوتاد کی یہ تشریح و تفسیر اگر فراعنۂ مصر میں کسی پر بخوبی منطبق ہوتی ہے تو وہ رعمیس دوم ہے جسے مؤرخین اور ماہرین مصریات رعمیس عظیم (Rameses the Great) کہتے ہیں۔ اس کی شوکت و حشمت اور بالخصوص اس کے تعمیری کارناموں کا نقشہ ملاحظہ فرمائیں۔ رعمیس دوم نے شام اور فلسطین میں فوج کشی کی۔ اس نے حتیوں کے ساتھ عہد نامہ مرتب کیا۔ توراۃ کی کتاب خروج (باب ۱ آیت ۱۱) میں ہے کہ اس نے رعمیس اور پیتوم نامی دو شہر تعمیر کروائے۔ رعمیس دوم کو عظیم و رفیع محلات، مندر اور مجسمے بنوانے کا بڑا شوق تھا۔ تھیبس کے مقام پر جو دریائے نیل کے مغربی کنارہ پر واقع ہے اس نے ایک عظیم الشان مندر کی تعمیر کی۔ عبیدوس اور میمفس میں کئی بڑے بڑے عبادت خانے

تعمیر کروائے۔ رعمسیس شہر میں اس نے اپنا ایک مجسمہ تعمیر کروایا جس کی اونچائی ۷۰ فیٹ سے زیادہ ہے۔ اس کا مجموعی وزن ایک ہزار ٹن سے بھی زیادہ ہے۔ ابوسمبل کے دو عظیم الشان مندر اسی کے عہد کی یادگار ہیں۔ مندر کے دروازہ پر رعمسیس کے چار سنگی مجسمے دریائے نیل کی طرف رُخ کیے ہوئے کھڑے ہیں۔ ہر مجسمہ کی اونچائی ۶۵ فیٹ ہے۔ لکسر اور کرناک میں رعمسیس دوم کے بنائے ہوئے مندر اپنی عظمتِ رفتہ کی داستان سُناتے نظر آتے ہیں (۸)

مسیحی شارحین تورات لکھتے ہیں کہ رعمسیس دوم نے ۶۷ سال حکومت کی اور ۹۰ یا ۱۰۰ برس کی عمر میں انتقال کیا۔ مولانا دریابادی ان کی تقلید کرتے ہوئے یہی لکھتے ہیں۔ مصری تاریخ و آثرات سے معلوم ہوتا ہے کہ تین ہزار برس قبل رعمسیس دوم کی حنوط شدہ لاش کو ملکہ ان یائی کے مقبرہ میں دفن کیا گیا تھا۔

تین ہزار برس کے بعد ۱۸۸۱ء میں پہلی دفعہ فرانسیسی ماہر اثریات (Emil - Brugsch Bey) مقبرہ میں داخل ہوا اور اس طرح رعمسیس کی لاش قاہرہ کے عجائب گھر میں پہنچی اور جو اب روزانہ ہزاروں سیاحوں کی توجہ کا مرکز ہے (۹)۔ انیسویں صدی کے اخیر میں تشریح الابدان کے ایک ماہر (Rudolph Varchow) نے رعمسیس دوم کی ممی کا ڈاکٹری معائنہ کیا۔ اسے رعمسیس کی جبڑے کی ہڈی دیکھ کر بہت اچنبھا ہوا کیوں کہ یہ کسی معمر آدمی کی ہڈی نہیں معلوم ہوتی جب کہ بائبل کے شارحین اور مفسرین کا خیال ہے کہ رعمسیس ۹۰ یا ۱۰۰ سال کی عمر میں مرا (۱۰)۔ قاہرہ یونیورسٹی میں تشریح الابدان کے ماہر ڈاکٹر الیٹ اسمتھ (G. Elliot Smith) نے قاہرہ میوزیم میں موجود تمام شاہی ممیوں کا معائنہ کیا۔ اس نے اپنی رپورٹ میں لکھا کہ رعمسیس دوم کی ممی کے دانت اچھی حالت میں ہیں۔ صرف تھوڑی سی خرابی آگئی ہے۔ کچھ سال پہلے مشی گن یونیورسٹی کے (Dr. Willon Krogman) اور ان کی ٹیم نے رعمسیس کی ممی کا ایکسرے شعاعوں کے ذریعہ معائنہ کیا۔ سائنسی تحقیقات اور نتائج کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے انھوں نے لکھا کہ نہایت اغلب ہے کہ رعمسیس دوم کی عمر موت کے وقت ۵۰-۵۵ برس کے درمیان تھی۔ ۱۹۷۶ء میں فرانس کے مشہور

سرجن ڈاکٹر مارنیس بوکائی نے قاہرہ میوزیم میں رعمسیس دوم کی ممی کا معائنہ کیا انھوں نے دیکھا کہ ممی کے بعض اعضاء پر پھپھوندی لگ گئی ہے اور بعض حصے خستہ ہونے لگے ہیں(۱۲)۔ انھوں نے ممی کو فرانس لے جاکر طبی علاج کروانے کا مشورہ دیا چنانچہ ۲۶ ستمبر ۱۹۷۶ء کو لاش پیرس لے جائی گئی جہاں فرانس کے نیوکلیائی سائنسدانوں نے اس کا علاج کیا۔ علاج کے بعد کچھ دنوں کے لئے رعمسیس کی ممی عام نمائش کے لئے رکھی گئی۔ عالم اسلام کے مشہور محقق ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب مدظلہ نے اپنی آنکھوں سے رعمسیس دوم کی ممی کا مشاہدہ کیا اور لکھا کہ فرعون کے بالوں میں مہندی کا خضاب لگا ہوا ہے۔ اکثر دانت صحیح وسالم ہیں اور عمر ۵۰-۶۰ سال کے درمیان معلوم ہوتی ہے(۱۳) غرض تمام قرائن وشواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ کے قیام مدین کے زمانہ میں رعمسیس دوم کی موت کا بیان جو تورات کی کتاب خروج میں درج ہے درست نہیں۔

مولانا دریابادی سر چارلس مارسٹن کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ واقعۂ خروج ۱۴۴۴ اور ۱۴۱۷ ق م کے درمیان پیش آیا۔ یہ تاریخ تورات کے بیان پر مبنی ہے۔ چنانچہ سلاطین (۱) میں ہے کہ مصر سے بنی اسرائیل کے خروج کا واقعہ ہیکل سلیمانی کی تعمیر سے ۴۸۰ برس پہلے پیش آیا۔ ہیکل سلیمانی کی تعمیر ۹۷۰ ق م میں ہوئی۔ اس لحاظ سے خروج کی تاریخ ۱۴۵۰ ق م ہونی چاہیے سلاطین کی یہ عبارت تاریخی واثریاتی شواہد کے خلاف ہے لہٰذا ناقابل قبول ہے(۱۴)۔ جدید ترین تاریخی واثریاتی تحقیقات کے مطابق خروج کا واقعہ تیرھویں صدی ق م کے نصف اول میں پیش آیا، کم وبیش ۱۲۷۰ ق م میں۔ اس تاریخ کی تصدیق فرعون منفتاح کے "کتبۂ اسرائیل" (Israel Stela) سے ہوتی ہے(۱۵)۔ یہ کتبہ رعمسیس دوم کے بیٹے اور جانشین منفتاح نے اپنی حکومت کے پانچویں سال میں کندہ کروایا تھا۔ یہ تھیبس کے قبرستان میں مشہور ماہر اثریات ومصریات ولیم فلنڈرس پیٹری (William Flinders Petrie) کو ۱۸۹۶ء میں ہاتھ لگا تھا۔ مصر کے قدیم کتبات ونقوش میں پہلی دفعہ "اسرائیل" کا نام اس کتبہ میں نظر آتا ہے۔ منفتاح کی حنوط شدہ لاش جو ۱۸۹۸ء میں ماہرین اثریات کے ہاتھ لگی تھی اب قاہرہ کے عجائب گھر میں رکھی ہوئی ہے۔ منفتاح کی ممی کے ایکس رے معائنہ سے معلوم ہوا کہ اس کی کھوپڑی میں ایک سوراخ تھا جو

کسی تیز دھار والے آلہ یا ہتھیار سے کیا گیا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ منفتاح کی موت بڑے پُرتشدد انداز میں ہوئی۔(۱۶)

جناب قاسمی صاحب نے یہودیوں کے دور ابتلاء کے ضمن میں منفتاح کے کتبہ اسرائیل کا ذکر کیا ہے۔ اس میں منفتاح اپنے کارناموں اور فتوحات کا ذکر بڑے طمطراق سے کرتا ہے۔ اس کتبہ کی بعض اہم عبارتیں یہ ہیں :-

شہزادے سرسجود ہیں، تسبیح رحمت پڑھتے ہوئے۔
کمان والی نو قوموں میں سے کوئی پھر سر اٹھائے کھڑا نہیں ہے۔
تہنو کے لئے تباہی و بربادی ہے۔ حطی رام کر لئے گئے ہیں۔
کنعان کو اس کی تمام برائیوں کے ساتھ تباہ کر دیا گیا۔
اشکلان کو فتح کر لیا گیا۔ غزہ قبضہ میں آگیا۔
ینوم کا وجود نیست کر دیا گیا
اسرائیل کو اجاڑ دیا گیا۔ اس کا بیج باقی نہیں رہا
خرد مصر کے لئے بیوہ ہو چکی ہے
تمام ممالک رام کر لئے گئے ہیں
ہر وہ جو پرشورش تھا شاہ منفتاح کے زیر نگیں آگیا ہے۔(۱۷)

اس کتبہ کا دور ابتلاء سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ کتبہ فرعون رعمسیس دوم کے غرق ہونے کے بعد کندہ کروایا گیا۔ اس کتبہ میں اسرائیل کے ساتھ جس جنگ کا ذکر ہے وہ واقعہ خروج کے بعد ہوئی۔ اگر خروج سے پہلے ہوئی ہوتی تو اتنے سارے یہودی مصر سے خروج کے لئے موجود نہ ہوتے۔(۱۸) اغلب ہے کہ منفتاح نے اپنے باپ رعمسیس دوم کی موت کی بدنامی کا داغ مٹانے کے لئے دانستہ غلط بیانی سے کام لیا کیونکہ وہ آنے والی نسلوں کو یہ باور کرانا چاہتا تھا کہ بنی اسرائیل مکمل طور پر تباہ و برباد ہو گئے اور مصر میں ایک بھی یہودی باقی نہیں رہا۔(۱۹)

مصر میں اسوان بند کے تعمیر ہونے کے بعد دریائے نیل کی سطح اونچی ہو گئی۔ اس سے فرعون رعمیس دوم کے بنائے ہوئے ابو سمبل کے مندر کو خطرہ لاحق ہو گیا اس سے پہلے کہ ابو سمبل کا مندر مع رعمیس دوم کے سنگی مجسموں کے غرق آب ہو جائے حکومت مصر نے اقوام متحدہ کے تعاون سے مندر کو محفوظ جگہ منتقل کرنے کا منصوبہ بنایا۔ ۱۹۶۴ء میں یہ منصوبہ مکمل ہوا اور اس پر ساڑھے تین کروڑ ڈالر سے زیادہ خرچ آیا۔ ہندوستان نے ۵ لاکھ ۸۸ ہزار ڈالر کا عطیہ دیا۔ مندر کو بھاری مشینوں کے ذریعہ پہاڑ سے کاٹ کر دوسری جگہ منتقل کیا گیا جہاں وہ سیاحوں کی توجہ اور دلچسپی کا مرکز ہے (۱۸)

حواشی و حوالہ جات

۱۔ ما قبل اسلام کی عربی تاریخ کے لئے ملاحظہ ہو:

Giorgio levi Della vida "Pre-Islamic Arabia" In N. A. FARIS (ED.) The Arab Heritage (1946)

Philip K. Hitti: A History of the Arabs (1940)

Irfan Shahid: "Pre-Islamic Arabia" in Cam-bridge History of Islam, vol. I (1970)

Ahmad Fakhry: An Archaeological Journey to Yemen (1952) –

F. V. Winnett and William L. Reed: Ancient-Records from North Arabia (1970)

A. Jamme: Thamudic Studies (1967)

A. F. L. Beeston: Qahtan: Studies in old south

- Arabian Epigraphy (1976)

R. le. B. Bowen and F. B. Albright: Archaeological Discoveries in South Arabia

B. Moritz: Arabic Palaeography.

Encyclopaedia of Islam (Second edition, (1960).

اثریاتِ تورات (Biblical Archaeology) کے لئے درجِ ذیل ماخذ اہم ہیں:

Encyclopaedia Judaica (1976)

New Catholic Encyclopaedia. (1967)

Cambridge Ancient History, vol. I, II, (third edition, 1975).

W. F. Albright: The Biblical period from Abraham to Ezra (1963)

: From stone Age to christianity

George Ernest Wright: Biblical Archaeology (1962)

J. Gray: Archaeology and the old Testment world (1962)

K. Kenyon: Archaeology in the holy land (1965)

۲- The Bible The Quran and Science (Second Revised edition, Paris (1982)

(علی گڑھ سے شائع کردہ کتاب مذکور کا ایڈیشن طبع اول پر مبنی ہے اور مصنف یا طابع کی اجازت کے بغیر شائع کیا گیا ہے، جیسا کہ مصنف نے راقم الحروف کے نام ایک مکتوب میں لکھا ہے۔)

۳۔ پہلی صدی ق م میں جن لوگوں نے بحر میت کے مخطوطات لکھے انھیں (Essenes) کہا گیا ہے۔ یہ یہودیوں کا ایک فرقہ تھا جو شہر کے فسق و فجور سے مایوس ہو کر گوشہ نشین ہو گیا تھا۔ ان کے اخلاقی و تشریعی صحیفہ میں لکھا تھا کہ اب وقت قریب آگیا ہے کہ خداوند قدوس اپنے مسیح کو بھیجے جو تلوار لے کر اس دنیا میں آئے گا۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دنیا میں تلوار لے کر نہیں آئے۔ لہٰذا اس فرقہ کے لوگوں نے عیسائی مذہب قبول نہیں کیا اور مسیح موعود کے انتظار میں رکے رہے۔ ۶۸ء میں رومی سپاہیوں نے ان کی بستی جو وادی قمران میں واقع تھی تباہ و برباد کردی۔

بقول بائبل کی کتاب ہے کہ "خداوند تعالیٰ اپنے برگزیدہ بندہ کے ہاتھ میں قوموں کا فیصلہ رکھے گا۔"

(The Thompson chain Reference Bible : Arch-
-aeological Supplement (1964) P.P. 325 – 28.

۴۔ ملاحظہ ہو: نباهات حديثة في دراسة تاريخ الأنباط۔
(الدكتور احمد فخري) حولية دائرة الآثار العامة، المملكة الأردنية الهاشمية ۱۹۷۱

نیز دیکھیے: (Nelson Glueck. Deities and -
- Dolphins : The History of the Nabateans (1965)
W.F. Albright : The Archaeology of palestine -

(Revised ed. 1960)

— — — —

۵- ملاحظہ ہو:

Seton Lloyd: Archaeology of Mesopota-
-mia (1978) P. 93

G. Roux: Ancient Iraq (1964) PP 98-101

۶- متعلقہ آیات کے لئے دیکھئے المعجم المفہرس لألفاظ القرآن الکریم
(مرتبہ محمد فؤاد عبدالباقی مرحوم، مطبوعہ لاہور ۱۳۹۵ھ/۱۹۷۵ء) ص ۵۱۶-۵۱۵

۷- Quoted in Maurice Bucaille: The
Bible, The Quran and Science, PP 230-31.

نیز دیکھئے

The New Catholic Encyclopaedia (1967) Vol. V P. 742

بائبل کی پہلی پانچ کتابیں صحف خمسہ (Pentateuch) کہلاتی ہیں۔
انیسویں صدی سے قبل عام طور پر یہ سمجھا جاتا تھا کہ یہ حضرت موسیٰؑ کی تحریر کردہ ہیں۔ انیسویں
صدی میں جب بائبل کی متنی تنقید (Textual Criticism) کا علم ترقی پذیر ہوا تو علمائے
تورات کو یہ تسلیم کرنے میں تامل ہونے لگا کہ صحف خمسہ حضرت موسیٰؑ کی تصنیف یا تالیف کردہ ہیں۔
ان میں منجملہ دیگر متناقض چیزوں کے خود حضرت موسیٰؑ کے انتقال اور تجہیز و تکفین کا ذکر ہے۔
انیسویں صدی کے اخیر میں ولہاوسن (J. Wellhausen) نے متعدد شواہد کی بنیاد
پر یہ نظریہ پیش کیا کہ صحف خمسہ کو الہامی کتب کا درجہ نہیں دیا جا سکتا۔ کیوں کہ ان کی عبارت
در حقیقت میں چار مختلف قسم کی روایات ضم ہیں۔ یہ چار روایات یا ذرائع مختلف تاریخی زمانوں سے
تعلق رکھتی ہیں جو نویں صدی ق م سے پانچویں صدی ق م کے درمیان ہیں۔ چار سو برس کے اس طویل عرصہ میں ان کتابوں کے

اندر متعدد اضافے اور ردوبدل کیے گئے۔ مزید برآں صحف خمسہ کے نزول اور تحریر میں چار یا پانچسو سال کا طویل فاصلہ حائل ہے۔ بالفاظ دیگر پانچ سو برسوں تک یہ کتابیں زبانی روایت کے ذریعہ ایک نسل سے دوسری نسل تک منتقل ہوتی رہیں اور نویں صدی ق م میں انھیں ضبط تحریر میں لایا گیا۔ ولہاؤسن نے بتلایا کہ صحف خمسہ کی تدوین وتالیف میں درج ذیل چار روایات شامل ہیں (ا) روایت یہووا (Yahwist) جس کا زمانہ نویں صدی ق م ہے۔

(ب) روایت الوہیم (Elohist) آٹھویں صدی ق م (ج) استثنار (Deuteronomy) ساتویں صدی ق م (د) روایت احبار (Priestly Tradition) پانچویں صدی ق م۔

کتاب خروج کی آیت (باب ۲ آیت ۲۳) جس میں فرعون رعمسیس دوم کے مرنے کا ذکر ہے مذکورۃ الصدر روایات میں سے ایک روایت پر مبنی نہیں بلکہ تین روایتیں اس میں شامل ہیں یعنی روایات یہووا، الو اور احبار (New Catholic Encyclopaedia, P.99) اس کا مطلب ہے کہ اس بیان میں مختلف زبانوں میں تحریف ہوتی رہی۔ لہٰذا اس بیان کو حتمی اور یقینی سمجھا نہیں جاسکتا۔ ملاحظہ ہو۔

Encyclopaedia Judaica "Pentateuch"

Maurice Bucaille: The Bible, The Quran and Science, P.P 27-38.

Cambridge History of the Bible, vol. I.

H. F. Hahn: Old Testament in Modern Research (1954)

— — — —

— — — — — — — —

ملاحظہ ہو۔ A.S. De. Lubicz: The Temples of Karnak — (1961)

Lionel casson: Ancient Egypt (1966) -
A. H. Gardiner: Egypt of the pharaohs (1961)
S. R. K. Glanville (ed.): The legacy of - Egypt (1942)
P. Montet: Every day Life in Egypt in the days of Rameses the great (1958)
Catalogue of the Exhibition "Rameses le grand" (1976) -۹
Cf. Immanuel Velikovsky: Rameses II and his time (1978) PP. 235-36 -:۱۱-۱۰
Bucaille, P. 240 -:۱۲

۱۳۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ "ڈوبے مرے فرعون کا نام" فاران (کراچی) مئی ستمبر ۱۹۷۷ء) - راقم الحروف نے اس مضمون کا اردو ترجمہ کیا جو رسالہ اسلام اینڈ دی ماڈرن ایج (اگست ۱۹۸۱ء) میں شائع ہوا اس مضمون کا جرمن ترجمہ رسالہ "الاسلام" (۱۹۸۳ء) میں شائع ہوا۔

Bucaille. PP. 226 -27. -:۱۴
Encyclopaedia Judaica, vol. VI, "Exodus" -:۱۵
James Harris and Kent weeks: - x-raying the pharaohs (1973) P. 157. -:۱۶

۱۷۔ کتبہ کے مکمل متن کے لیے ملاحظہ ہو۔

James B. Pritchard: Ancient Near Eastern texts Relating to the old Testment (1955) PP. 376-78

۱۸۔ Encyclopaedia Judaica, Vol. VI, P. 402.

۱۹- ڈاکٹر محمد حمید اللہ "ڈوب مرے فرعون کا نام" فاران ۱۹۷۷ء
Unesco Courier (December - 1964)

جدید مسائل کے شرعی احکام

پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ سود دو رضاعت کے مسائل

از افادات مفتی اعظم حضرت مولانا محمد شفیع رح

یہ کتاب جو کہ چار فقہی رسائل پر مشتمل ہے جس میں بنک وتجارتی سود اور ٹیلی ویژن، شریعت کی نظر میں V.C.R کے استعمال کے شرعی احکام نیز موجودہ دور میں پیش آنے والے مسائل کے بارے میں جامع اور عمدہ طریقہ پر شرعی نقطۂ نظر واضح کیا گیا ہے۔

قیمت: Rs, 13/25

ملنے کا پتہ:- منیجر مکتبہ برہان، جامع مسجد دہلی ۶

(عمید الرحمن عثمانی)